© rasailojaraid.com

محمد سرور

حکمتِ ربّانیہ پر شاہ ولی اللہ کی تصنیف — الخیر الکثیر

(جولائی کے شمارے میں "الخیر الکثیر" کے شروع کے پانچ خزانوں کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ باقی پانچ خزانوں کا خلاصہ درج ذیل ہے)

چھٹا خزانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے بارے میں ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب اس خزانہ میں آغازِ کلام یوں کرتے ہیں: "تمھیں معلوم ہونا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے حکیم معصوم اور قطب باطنی تھے"۔ اس کے بعد شاہ صاحب حکمت، عصمت اور قطبیت کی یوں تعریف کرتے ہیں۔ حکمت یہ ہے کہ کسی شخص میں جنابیت (عالم مادّی کی آلودگیوں سے ملوّث ہوتا) معدوم ہو۔ اور اس کا اثر اس کی عین ثابتہ اور تشخص جزئی میں کچھ بھی نہ پایا جائے، ایسا تشخص تجلی ذاتی کا محل و مورد ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس کے لیے حقائق علمیہ اور دقائق عملیہ کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ وہ معاد کی حقیقت سمجھنے لگتا ہے اور اس کو وہ علوم حاصل ہوتے ہیں، جن کا بیان قرآن مجید میں ہے یا جن کا اشارہ اس حدیث میں ہے "اوتیت القرآن ومثلہ معہ (مجھے قرآن مجید اور اس کے ساتھ اس کے مثل علوم دیے گئے)۔ نیز جن کا اشارہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔ و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

عصمت سے مراد تجلّی ذاتی کے اُن پہلوؤں کا مورد و محل بننا ہے، جن کا حاصل برائیوں کی نفی اور اچھائیوں کا خلقاً بھی اور عملاً بھی، اثبات ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ واجبات کی پابندی اور قطعی حرام چیزوں سے پرہیز ہے۔ ان کے علاوہ دوسری چیزیں اس سے استحساناً یعنی وہ انھیں اچھا سمجھتا ہے، صادر ہوتی ہیں۔ عصمت کا راز اس سے پہلے ہم اشارۃً بیان کر آئے ہیں، اور وہ یہ کہ ایک شخص کے عین ثابتہ کے اندر اجمالی طور پر جو حیثیات ہوتی ہیں، اعمال و اخلاق ان کا نمونہ اور تمثل ہوتے ہیں۔ اور اُن کا ظہور اُس صورت میں ہوتا ہے جو دوسروں پر ترجیح رکھتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلب یہ ہے کہ اعمال و اخلاق اُن واردات اور کیفیات کا مظہر ہوتے ہیں جو نفس انسانی کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اور اعمال و اخلاق جس صورت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں، اُس کا انحصار ان اسباب پر ہوتا ہے، جو دوسری صورتوں کے مقابلے میں اُس مخصوص صورت کو لازم کر دیتے ہیں۔

شاہ صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس، خیر تام و کامل ہے اور وہ نیکیوں اور خیرات کا سرچشمہ و منبع ہے۔ چنانچہ جو شخص اپنے مرتبہ ذاتی کے ذریعہ اس منبع خیرات سے قرب حاصل کرتا ہے، اور اس کا یہ قرب فطری ہو، تو وہ ہر ایسے خُلق اور عمل سے اجتناب کرتا ہے جو شر کے زمرے میں ہوتا ہے۔

اب رہا یہ کہ قطبیت باطنی کیا ہے؟ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جس شخص کو تجلی ذاتی نصیب ہوتی ہے، اس کے نتیجے میں اسے اللہ تعالیٰ کے اسمائے مقدسہ کا قرب اور الحاق بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا قرب اور الحاق حاصل ہوتا ہے۔ اسی کو ریاست مجردہ کہتے ہیں اور وجاہت عند اللہ[1] کا بھی یہی مفہوم ہے۔ وجاہت کا راز اسی فطری مخصوص تجلی میں ہے۔

شاہ صاحب اور دوسرے ارباب معرفت کے نزدیک کائنات اللہ تعالیٰ کے اسمائے مقدسہ کا ایک ظہور ہے۔ ان سے قُرب واسطہ بنتا ہے ذات الٰہی کے قرب کا۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے خزانہ کے شروع میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ بعثت سے پہلے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حکیم معصوم اور قطب باطنی تھے، یعنی قبل بعثت آپؐ میں حکمت، عصمت اور قطبیت کے اوصاف موجود تھے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ تینوں صفات یعنی حکمت عصمت اور قطبیت صرف حکما سے مخصوص ہیں، بلکہ یہ حکما اور انبیا دونوں میں مشترک ہیں البتہ دونوں کی ان صفات میں امتیاز ضرور ہوتا ہے۔

اب شاہ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں: چونکہ آپؐ کی عین ثابتہ میں وسعت تھی۔ اور اس میں جنابت نہیں تھی۔ یعنی آپؐ مادی دنیا کی آلودگیوں سے پاک تھے۔ اُس کے کسی تقاضے کے سامنے نہیں جھکتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطیع و

---

[1] حضرت موسیٰ کے بارے میں سورہ احزاب (۶۹) میں ہے۔ وکان عند اللہ وجیھاً۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمانبردار رہتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی عین ثابتہ میں اپنی کامل ترین اور عظیم ترین تجلی فرمائی اور آپؐ کو قربِ فرائض کا بلند مقام حاصل ہو گیا۔

شاہ صاحب انبیا کو فطری اور اکتسابی ہر دو کمالات کا حامل مانتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں کہ انبیا کی فطرت میں شروع ہی سے کمالات ہوتے ہیں لیکن یہ اجمالی ہوتے ہیں۔ بعد میں ایسے حالات واسباب ظہور پذیر ہوتے ہیں جو یکے بعد دیگرے ان کمالات کو بالتفصیل بروئے کار لاتے ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں: آپؐ میں ابتدائے فطرت سے قربِ ذاتی، قربِ فرائض اور قرب بالملائکہ کی صفات جمع تھیں۔ ہم نے جو اوپر ذکر کیا کہ بعثت سے پہلے آپؐ میں حکمت کی صفت تھی، اور اس کے ساتھ عصمت اور قطبیت کی صفات بھی تھیں۔ غرض ان سب نے آپؐ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ آپؐ یکے بعد دیگرے وسائط کی جانب اپنی توجہ مبذول کریں۔ یہاں تک کہ آپؐ منتہائے مقصود تک پہنچ گئے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے الی اللہ المصیر۔

آپؐ میں ابتدائے فطرت سے ایک تو یہ فطری صفات تھیں، جو حالات کے ساتھ ساتھ جن سے کہ آپؐ کو گزرنا پڑا، اجمال سے تفصیل کے دائرہ میں بروئے کار آئیں، دوسرے آپؐ کا تعلق ملاءِ اعلیٰ سے تھا۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ملاءِ اعلیٰ سے آپؐ کے اس تعلق کی وجہ سے قدرت نے آپؐ کو تمام مذموم اخلاق واعمال سے محفوظ رکھا۔ اور اچھے اخلاق سے بہرہ مند ہونا آپؐ کی لازمی صفت ہو گئی۔

بعثت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے (دعوت الی اللہ) کا ذکر شاہ صاحب یوں کرتے ہیں:

آپؐ کی ذات میں ان تین آفتابوں کے مقابل جو پہلے سے آپؐ کی ذات مبارک میں تھے، تین ستاروں کا ظہور ہوا (تین آفتابوں سے شاید ان کی مراد حکمت، عصمت اور قطبیت کی تین صفات ہیں)۔ پہلا ستارہ وحی ظاہری کا جو آپؐ پر نازل ہوئی، دوسرا ستارہ تھا آپؐ کا تمام مذموم اخلاق و اعمال سے محفوظ اور اچھے اخلاق واعمال سے بہرہ مند ہونا۔ اور یہ ملاءِ اعلیٰ سے آپؐ کے تعلق کی وجہ سے تھا، تیسرا ستارہ قطبیت ارشاد کا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ صاحب لکھتے ہیں: جب آپؐ کے یہ تینوں ستارے اچھی طرح درخشاں ہوئے، اور پہلے سے تین آفتاب تو تھے ہی، تو آپؐ کو دعوتِ حق پر مامور کیا گیا۔ اور اس وقت آپؐ نبی ہوئے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: دعوت کا راز یہ ہے۔ وجاہت اور قطبیتِ ارشادیہ سے معنوی ریاست (قیادت) کا پھوٹ پڑنا۔ اس کی تعبیر یوں کی جاتی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت ہادی ہوگئے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جوّاد وسخی ہے۔ اور اگر کوئی اس سے استعداد کی زبان سے سوال کرتا ہے، تو وہ ایسے سائل کے سوال کو ردّ نہیں کرتا۔ غرض جب آپؐ نبی اور ہادی بنائے گئے تو اُس وقت آپؐ کی استعداد نے برملا طور پر اللہ کی مخلوقات میں سے انسانوں اور جنوں کی ہدایت کا سوال کیا تھا۔ چنانچہ آپؐ کے احباب اور مخلصین میں سے جو بھی آپؐ کی طرف توجہ کرتا، اُس وقت آپؐ سے اسے ارشاد و ہدایت ملتی۔ اس پر ایک عرصہ گزر گیا۔ اس دوران ملاءِ اعلیٰ سے آپؐ کا تعلق برابر بڑھتا گیا۔ آپؐ کی فطرت وقتاً فوقتاً صیقل ہوتی گئی اور مذکورہ ستاروں کے دائروں میں وسعت ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ یہ امر اپنے مقصود کو پہنچا اور تینوں ستارے روشن بدرِ کامل بن گئے۔ اُس وقت آپؐ کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کہا گیا فاصدع بما تؤمر[۵۳] (جس بات کا تمھیں حکم دیا گیا ہے، وہ کھُلے طور سے بیان کر)۔ اسی مقام پر آپؐ کو کفار سے معارضہ و مجادلہ کا حکم دیا گیا۔ شاہ صاحب کے الفاظ میں معارضہ کے معنی ہیں: رشد و ہدایت کے سلسلے میں جو مخالفت ہو، اُسے دور کرنا۔

مطلب یہ ہے کہ بعثت کے بعد شروع میں آپؐ کی دعوت صرف اپنے احباب اور مخلصین تک محدود رہی۔ وہ آپؐ کی طرف متوجہ ہوتے اور آپؐ انھیں رشد و ہدایت دیتے۔ اس پر ایک مدّت گزری، جس کے دوران آپؐ کی نبوی صفات کے ستارے بدرِ کامل بن گئے۔ اس پر آپؐ کو کھُلے بندوں دعوتِ حق دینے اور مخالفین سے بحث و مباحثہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

اس منزل کے بعد دوسری منزل کفار سے جہاد کی آتی ہے۔ اس بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: پھر آپؐ اپنی قوم کی طرف رسول بنے۔ جیسے کہ ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام اپنی اپنی

---

۵۳ سورہ الحجر ۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوموں کی طرف رسول تھے ۔ اس پر بھی کچھ مدت گذری ۔ بعد ازاں (آپؐ کی نبوی صفات کے) بدر کامل ملاء اعلیٰ سے تعلق کے زور پر آفتاب بن گئے ۔ اُس وقت آپؐ کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا[۵۴] (اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے لڑائی کی جاتی ہے، اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا) اور آپؐ کو ہجرت کرنے کا حکم ملا ۔ ہجرت ہے کلی طور پر علیحدگی اور جہاد ہے کلی طور پر عداوت ۔ اس میں راز یہ ہے کہ اس وقت ارشاد و ہدایت کا دائرہ وسیع اور روشن ہوا ۔ اور اللہ کی ناراضگی اور غیرت (اس دنیا میں) منعکس ہوئی ۔

یہاں شاہ صاحب اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ خیر تام و کامل ہے ۔ اور وہ شر اور نقائص سے بالاتر ہے ۔ اور وہ اس لیے کہ شر کا تعلق اس عالم سے ہے جس میں کہ بڑا خلط ملط ہے اور نقائص تو صورت مزاجیہ سے ظاہر ہوتے ہیں ۔ اس کے بعد شاہ صاحب کہتے ہیں ۔ پھر آپؐ اولو العزم میں سے بنے[۵۵] اور اس طرح آپؐ کے لیے کمال مطلق کا اہتمام ہوا ۔

اس کمال کے بعد بھی آپؐ کا ارتقا جاری رہا ۔ آپؐ کی فطری اور اکتسابی صلاحیتوں کی وجہ سے آپؐ کی استعداد صیقل ہوتی گئی ۔ اس میں کامل جلا اور نورانیت پیدا ہوئی اور آپؐ ایسے مقام پر پہنچے کہ کمال کا کوئی مرتبہ نہیں جس کے امام آپؐ نہ ہوں ۔ اور یہ سب اس لیے کہ ضرورت تھی ایک ایسے منصب کی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بنے اور وہ ترجمان ہو اللہ تعالیٰ کا ۔ آپؐ کا یہ کمال اس منصب پہ فائز ہونے کے لیے تھا ۔

شاہ صاحب کے نزدیک آپؐ کے اس منصب پہ فائز ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح آپؐ کے اس دنیا میں تشریف لانے سے پیشتر کسی ایسی حقیقت کا ظہور نہیں ہوا جو آپؐ کی حقیقت سے کامل تر ہو، اسی طرح اس عالم حادث میں آپؐ کے ظہور فرما ہونے کے بعد کسی کمالی کی حقیقت کا ادراک آپؐ کو ذریعہ بنائے بغیر ممکن نہیں ۔ چنانچہ اب کسی کو بغیر آپؐ کے توسط کے نبوت حاصل نہیں ہوگی ۔ اور نہ کوئی آپؐ کے بعد مستقل نبی مبعوث ہوگا ۔

---

[۵۴] سورہ الحج ۳۹

[۵۵] اشارہ ہے اس آیت کی طرف (احقاف ۳۵) فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کے بیان کے بعد اسی چھٹے خزانہ میں شاہ صاحب وحی اور قرآن مجید کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: وحی کی متعدد اقسام ہیں۔ اور ان میں سے ایک وحی وہ ہے جو معراج کی حالت میں ہوئی۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ اہل حکمت کے نزدیک معراج بحالت بیداری اس جسم کے ساتھ ہوا، جو کمالات کا مجسم تھا۔ اس بدن کے ساتھ نہیں جو ترکیب عناصر سے بنتا ہے۔ وحی کی ایک قسم رویائے صادقہ ہے اور ایک یہ کہ جبرئیل علیہ السلام آدمی کی صورت میں متمثل ہوں۔ اسی طرح دل میں کسی بات کا پڑنا (نفث فی الروح) اور اشراف وکشف (دوسرے کے دل کی بات جان لینا) بھی وحی کی اقسام میں سے ہے۔ ایک قسم کو وحی باطنی کہا جاتا ہے۔ اور یہ وہی ہے جسے قرآن نے حکمت سے موسوم کیا ہے۔

وحی کی جملہ اقسام بتانے کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ سب سے بڑی وحی اور وحی کی افضل ترین قسم قرآن مجید ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کا ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: قرآن کے پانچ منازل ارتقاء (نشأۃ) ہیں۔ نشأۃ قدیمہ یعنی افاضہ بالفعل۔ نشأۃ کلام قدیم جو صفت ارادہ کی جزئیات سے ہے۔ نشأۃ متجددہ۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خود اپنے نسمہ النفس کا وہ پہلو جس سے زندگی قائم ہے) کی نشأۃ۔ ان تمام نشأت میں سب سے بلند پہنچ جانے کا منبع خود آپؐ کا اپنا کمال ہے۔ چوتھی نشأۃ آپؐ کا فصاحت وبلاغت اور اسلوب وبیان میں اعلیٰ درجہ پر متمثل ہونا۔ پانچویں قوت مدرکہ کی نشأۃ، گویا ایک نور تو آپؐ کو اپنی اصلیت کے لحاظ سے حاصل تھا۔ اور ایک نور آپؐ کو سابقین اور سابقین کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے حاصل ہوا تشریع یعنی تکوین شریعت کا اسی نشأۃ سے تعلق ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک قرآن مجید جن علوم پر مشتمل ہے، وہ سب سات کلیات (بڑی تقسیم) پر منقسم ہیں: (۱) الٰہیات (۲) تکوینیات (۳) وعظ وارشاد (۴) شرعیات (۵) آخرت کی تذکیر (۶) کافروں سے بحث ومجادلہ (۷) قصص

یہیں شاہ صاحب نے قرآن مجید میں جو حروف مقطعات ہیں، ان سے بحث کی ہے۔ اور حروف کے فن کو فنون حکمت میں سے بتایا ہے۔ انھوں نے مثلاً الٓمٓ اور اس طرح کے دوسرے حروف کے معانی بتائے ہیں۔ ان کے نزدیک الٓمٓ کے یہ معنی ہیں۔ وہ غیب جس نے عالم مادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(مثلاً انس) میں تعین قبول کیا۔ اس سے مراد ہے آیات، عادات، اعمال اور اخلاق کے ضمن میں تشریع کا تعین۔

اسی طرح بعض دوسرے حروف مقطعات کے معانی بتانے کے بعد لکھتے ہیں کہ میری یہ بھی رائے ہے کہ یہ حروف اُن سورتوں کے نام ہوں، جن کے شروع میں یہ آئے ہیں۔ اور یہ ان سورتوں کے ماحصل پر دلالت کرتے ہوں۔

قرآن مجید میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی چیز مختلف جگہوں میں بہت ہی معمولی فرق سے بیان ہوئی ہے۔ شاہ صاحب اس کی حکمت یہ بتاتے ہیں کہ ممکن ہے دو جگہوں میں بلحاظ مفہوم کے ایک جیسی چیز بیان ہوئی ہو، جیسے کہ انبیا کے قصے ہیں، لیکن اُن سے نتائج مختلف نکلیں۔ چنانچہ کبھی اس سے وعظ و ارشاد مقصود ہوتا ہے۔ کبھی انبیا کے مراتب و مقامات کا بیان۔ کبھی انھیں خدا تعالےٰ کی نشانیوں کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور کبھی ان میں معاد و آخرت کا ذکر ہوتا ہے۔

ایک ہی مضمون کو نئے نئے اسلوب سے جو پیش کیا جاتا ہے تو شاہ صاحب کے نزدیک اس کے دو سبب ہیں۔ ایک موقع و محل کی ضرورت اور دوسرے انشا پردازی کے اصول کی رعایت۔

قرآن کی سورتوں کے اسلوب بیان کے متعلق شاہ صاحب لکھتے ہیں: ہر ایک سورت کے تین موطن و حصے ہوتے ہیں۔ ایک مطلع، دوسرا مقطع اور تیسرا بیچ کا حصہ۔ اور یہ کہ سورتوں کے مطلع یعنی شروع کے مختلف اسلوب ہیں۔ ان کی مثالیں دینے کے بعد ارشاد ہوتا ہے: "مطلع اور مقطع کے درمیانی حصے میں عموماً مضمون کا تنوع ہوتا ہے۔ مثلاً کسی نبی کا قصہ بیان کرتے کرتے احوالِ معاد کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ اس دوران میں کبھی منکروں کی ردّ و قدح کا جواب دیا جاتا ہے۔ کبھی دنیا میں عذابوں کے نازل ہونے اور اُمتوں کی ہلاکت کے خوفناک واقعات بیان ہوتے ہیں۔ ان سب انواعِ کلام کے بعد، پھر اصل قصہ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اور اسے مکمل کیا جاتا ہے"۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ طرز بیان زیادہ موثر ہوتا ہے اور پھر مضمون کی یکسانی اور تسلسل سے طبعی طور پر جو ہوتا ہے اس سے وہ پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی ایک حدیث ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "قرآن سات حروف میں نازل ہوا۔ ہر ایک آیت کا ایک ظاہر، ایک باطن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اور ہر حد کا ایک روزن اور ایک روشن دان ہے۔" شاہ صاحب یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اس کی پوری وضاحت فرماتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی حروف مترادف اور متقارب (ایک دوسرے سے ملتے) الفاظ میں تمثّل پذیر ہوا ہے، انھیں حروف سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کلام نفسی کی تشریح شاہ صاحب نے یہ کی ہے: قبل اس کے کہ ایک شخص کی زبان سے ایک بات نکلے، اس کے دماغ میں اس بات کا اجمالی خاکہ ہوتا ہے۔ اسے کلام نفسی کہتے ہیں۔ اور اس میں اجمال ہوتا ہے تفصیل نہیں ہوتی۔

یہاں شاہ صاحب ایک اعتراض کا ذکر کرتے ہیں جو امام اشعری پر کیا گیا تھا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو قدیم ہیں، پھر اس کا کلام حادث (غیر قدیم) کیوں؟ اس کا انھوں نے یہ جواب دیا۔ صفت قدیم ہے، لیکن اس کا تعلق حادث سے ہے۔ صفت سے ان کی مراد اس کی ازل میں ہونے کی صورت ہے۔ اور حادث سے مراد اُس کا اس عالم میں، جس میں ہم ہیں، ہونا ہے۔ پھر اس صفت کی عالمِ خیال میں الفاظ کی صورت میں تجلی ہوئی، اور بعد میں تلفظ کے عالم میں تجلّی ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی، چونکہ عالم حادث میں مختلف تجلیات کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتا ہے، اس لیے وہ مختلف لباس پہنتا ہے۔ یہی حروف ہیں، جن کا ذکر حدیث میں ہے۔

(۲) ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ شاہ صاحب اس کی تشریح یوں کرتے ہیں۔ جو مفہوم ظاہر کلام سے سمجھ میں آئے، وہ ظاہر ہے، اور باطن سے مراد اس کی وہ اصل ہے، جو عالم غیب و قدیم میں ہے، اور جس نے اس کلام میں جو حادث ہے، تجلّی فرمائی۔

(۳) حد کے معنی مخفی حقیقت کا ایک خاص درجہ ہے، اور اس کا وہی شخص ادراک کر سکتا ہے، جس کو اسے سمجھنے کی استعداد بخشی گئی ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں اسی استعداد کو روزن سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شاہ صاحب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علوم دیے گئے ہیں، ان میں ایک علم حکمت بھی ہے۔ نیز آپؐ کو علوم متعلق تفسیر القرآن اور علوم متعلق استنباطِ احکام عطا ہوئے۔ فرماتے ہیں ان علوم کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد وہ ان الفاظ میں اس کی تشریح کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جو حکم دیتے ہیں، وہ بسا اوقات مطلق ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھنے کا حکم دیا (اس کی تفصیل نہیں بتائی) آپ نے قرآن مجید کی آیات سے استنباط کر کے نماز کے ارکان اور اوقات معین کیے۔ ہم نے ان تمام احادیث کا تتبع کیا ہے، جو نماز کے بارے میں ہیں۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان سب احادیث کا ماخذ کتاب اللہ ہے۔ یعنی آپ نے جو کچھ بھی استنباط فرمایا، قرآن کے اصولوں سے فرمایا۔

یہ خزانہ ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے:

”جو علوم زمانہ بعثت میں قریش میں مروّج تھے، مثلاً علم الانساب وغیرہ، ان میں بھی آپ کو کافی دسترس تھی۔ جہاں تک ممکن تھا، ہم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو تفصیلاً بیان کر دیا ہے، لیکن انبیا علیہم السلام کے کمالات کو اللہ تعالیٰ خود ہی بہتر جانتا ہے۔“

ساتویں خزانہ میں ”ولایت“ کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ صوفیہ کے ہاں یہ بحث رہی ہے کہ نبوت افضل ہے یا ولایت۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کے ہاں تو نبوت پر ولایت کی افضلیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ولایت کے چار طریقے ہیں۔ ایک صحابہ کا طریقہ ہے۔ صحابہ کے انھوں نے متعدد طبقات کیے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں کہ ”یاد رکھو صحابہ میں کامل ترین وہی ہیں، جن کو تجلی افعال سے مخصوص کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر وہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ سے باوجود ان کے تمام باطنی کمالات کے افضل مانتے ہیں کیونکہ بقول ان کے ”اگر حضرت علیؓ شیخین کی جگہ ہوتے تو یہ فتوحات نہ ہوتیں اور نہ اسلام کا دائرہ اس قدر وسیع ہوتا۔“

ولایت کا دوسرا طریقہ حکما کا ہے۔ یہ طریقہ اولیا اور طریقہ انبیا کے بیچ کا ہے یعنی دونوں کے درمیان برزخ ہے۔ اس کی تشریح اجمالاً شاہ صاحب یوں کرتے ہیں: ”نبوت عقل بالفعل ہے۔ اور یہ طریقہ [illegible] عقل [illegible] ہے اور حکما کے مذہب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(طریقہ) کی اصل یہ ہے کہ ہم تجلی ذاتی کے بعد عقل مضاعف (وافر) کو وصول الی اللہ کا ذریعہ سمجھیں"
تجلی ذاتی کا محل و موطن نبی کا قلب ہوتا ہے۔ مسلمان حکما کا یہ موقف رہا ہے کہ نبی کے دل پہ تجلی ذاتی کے ذریعہ جو القا ہوتا ہے، ایک حکیم عقل کے واسطے سے اس کا ادراک کر سکتا ہے لیکن یہ عقل بلند درجہ کی ہونی چاہیے۔ عام عقل نہیں۔ اس عام عقل کو مولانا روم عقل جزئی کہتے ہیں، اور اس کے بارے میں ان کا ارشاد ہے ؏

عقل جزئی عقل را بدنام کرد

شاہ صاحب کے نزدیک اولیا کے زمرے میں داخل حکیم کے لیے ضروری ہے کہ وہ روح القلب ہو، ارتقا میں کسی مقام پر رُک کر نہ رہ جائے کہ اسے منتہائے کمال سمجھنے لگے۔ صرف انبیا علیہم السلام کو مقتدا سمجھے۔

ولایت کا تیسرا طریقہ ان اولیا کا ہے، جو اصحاب فنا ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: اُن کے مذہب (طریقہ) کی اصل ایسے اعمال ریاضیہ ہیں، جن سے اُن کے نفوس کا تزکیہ ہوا، اور اس طرح اُن پر ایک سرِ عظیم کا انکشاف ہوا، جس کے کہ مختلف درجے ہیں۔ سب سے پہلے اُن میں سے ایک پر یہ منکشف ہوا کہ عالم کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اس مقام پر وہ اللہ پر توکل کرنے لگتا ہے اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ یہ اس سرِ عظیم کے پہلے درجے کا ظاہر ہے۔ اور اس کا باطن یہ ہے کہ وہ ہر فعل کے عین میں اللہ تعالیٰ کو دیکھے، اور وہ یوں کہ یہ فعل اس کے حجابات اور تقیدات میں سے ہے۔

ولایت کا چوتھا طریقہ اہل صفا میں سے ابرار کا ہے۔ اور یہ ہے جسم کو نفس کا مغلوب بنانا اور اسے نفس میں فنا کرنا۔ نفس کے لیے ابرار کیا طریقے اختیار کرتے ہیں، شاہ صاحب نے انھیں تفصیل سے بتایا ہے۔ مثلاً تخلیہ، خشوع و خضوع، علم، اور خوف و رجا وغیرہ۔

آخر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: تزکیہ، فنا، کشف اور اس طرح کے دوسرے طریقے صحابہ کرام کے عہد کے بعد ظاہر ہوئے۔

© rasailojaraid.com